صحت حدیث کی قطعیت کی نوعیت

ابو سلمان شاہجہانپوری

دین میں حدیث کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان اس باب میں کفالت کرتا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لا سبیل لنا الی معرفۃ الشرائع والاحکام الا خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

واضح ہو کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا کوئی ذریعہ شرائع اور احکام معلوم کرنے کا نہیں ہے۔

لیکن شرائع واحکام کے معلوم کرنے میں احادیث کو جس درجہ اہمیت حاصل ہے احادیث کی صحت وضعف کو جانچنے کا معاملہ اتنا ہی نازک بھی ہے۔ حدیث کے باب میں بہت سی الجھنیں اسی ناواقفانہ گفتگو کا نتیجہ ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

احادیث کی صحت وعدم صحت کا معاملہ بہت نازک ہے اور محتاج علم و نظر ہے جب تک اس فن عظیم ومقدس سے واقفیت نہ ہو اور تمام علوم متعلقہ حدیث پر نظر نہ ہو نیز تمام کتب معتبرہ قوم وطبقات محدثین ورواۃ پیش نظر اور تصریحات ائمہ فن وطرق تخریج ونقد ودرایت کی پوری پوری من الباب الی المحراب خبر نہ ہو اس وقت تک کچھ پتہ نہیں چلتا محض چند کتب حدیث کا سامنے رکھ لینا اس بارے میں مفید نہیں[2]

آج اصلی مصیبت یہی ہے کہ قرآن وحدیث ہی اسلامی تعلیم کا اصل سرچشمہ ہیں۔

---

[1] باب طبقات حدیث [2] الہلال ۱۰ مئی ۱۹۱۴ء

مگر ان کی صحیح و حقیقی تعلیمات حاصل کرنے کا عوام بے چاروں کے پاس کوئی وسیلہ نہیں، واعظین جاہلین اور قصاص دجالین نے ہر طرف سے ان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ علماء حق اول تو قلیل ہیں، پھر جتنے بھی ہیں اصلاح عوام کی اصلی تدابیر سے بے پروا۔

کار را نہ دو اگذ شتہ و افسوں نہ کردہ کس"

محدثین کرام نے احادیث کی تحقیق کے لئے جو محنتیں اٹھائیں اور جو خدمات جلیلہ انجام دیں آج ہم ان کا تصور کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد عظیم کی خاطر اپنی زندگی کے عیش و آرام کو تج دیا تھا۔ ایک ایک حدیث کی تحصیل و تحقیق کے لئے ہزار ہا میل کا سفر کیا، ہزاروں انسانوں کی زندگیوں کو کھنگال ڈالا۔ ان کے اخلاق و دیانت عدالت و ثقاہت اور امانت و تقویٰ وغیرہ کی تحقیق کی۔ ان کی اخلاقی و نفسی کمزوریوں کا پتہ چلایا۔ اگر کسی راوی کا کذب و نسیان یا خطا و غفلت ثابت ہو گئی۔ خواہ دینی معاملہ میں ہو خواہ دنیوی معاملہ میں ہو تو بلا خوف لومتہ لائم صاف صاف لکھ دیا اور محض اس بنا پر اس کی حدیث قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اگر قبول کیا تو ساتھ ہی تصریح کر دی کہ یہ شخص کبھی کذب سے ملوث ہوا تھا، نسیان طاری ہوا تھا حافظہ کمزور ہے، بیان میں غیر محتاط ہے، مبالغہ پسند ہے، مضمون میں اپنی جانب سے اضافہ کو برا نہیں سمجھتا وغیرہ وغیرہ۔ پھر احادیث کی صحت و اعتماد کے لحاظ سے درجے مقرر کئے اور ایک ایک حدیث کے بارے میں تحقیق و تنقیح کر کے بتادیا کہ کس درجے کی ہیں۔ مجموعہ ہائے احادیث کی ایک ایک حدیث کے بارے میں جرح و تعدیل سے کام لیا اور مجموعوں کے درجے مقرر کئے اور بتایا کہ کس مجموعہ کا صحت کے لحاظ سے کیا درجہ ہے۔ احادیث کے ایسے مجموعے مرتب کئے گئے جن کی ایک ایک حدیث کو روایت و درایت کے جملہ شرائط اور سخت اصول پر جانچ پرکھ کر اختیار کیا گیا۔

علمائے حدیث کی تقریباً باون شاخوں کا تذکرہ کیا ہے پھر ہر شاخ کا اپنا ایک عالم اور فروع در فروع ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اس فن کی جامعیت کا نقش دل و دماغ پر ثبت ہو جاتا ہے لیکن اس کا اندازہ تو ان کی ان کوششوں ہی سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے مختلف اعتبارات سے احادیث کی اقسام قرار دینے میں کی ہیں۔ مثلاً بہ اعتبار تکمیل اسناد حدیث کی مندرجہ

ذیل (۱۸) اقسام قرار دی ہیں۔

(۱) مسند (۲) مسلسل الحلف (۳) سلسل الید (۴) عالی (۵) متصل (۶) منقطع (۷) مرسل (۸) معضل (۹) معنعن (۱۰) مبہم (۱۱) مرفوع (۱۲) موقوف (۱۳) مقطوع (۱۴) عزیز (۱۵) غریب (۱۶) معضل (۱۷) واضح (۱۸) معلق باعتبار طرق روایت حدیث کی ۵ اقسام قرار دی ہیں۔

(۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر واحد (۴) غریب الاسناد (۵) غریب المتن

باعتبار روایت ۲ قسمیں ہیں۔

(۱) روایت باللفظ اور (۲) روایت بالمعنی

صحت کے اعتبار سے پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ صحیح (۲) حسن (۳) مدرج (۴) موضوع (۵) محکم

باعتبار ضعف بھی احادیث کی ۵ قسمیں بیان کی ہیں

۱۔ ضعیف (۲) مقلوب (۳) مضطرب (۴) مستور (۵) متروک

بعض محدثین نے اپنے مجموعوں میں صحت حدیث کی جملہ شرائط کا لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً

امام بخاری اور امام مسلم نے التزام کیا ہے کہ کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جس کے تمام راوی معتبر اور حافظ نہ ہوں، امام ابوداؤد اور نسائی نے اس شرط کے علاوہ مزید التزام یہ کیا کہ ہر حدیث کی سند غیر منقطع ہو اور راوی متروک نہ ہوں۔ امام ترمذی نے ان جملہ شرائط کے علاوہ اس شرط کا بھی التزام کیا کہ ہر حدیث کسی نہ کسی امام یا محدث کی معمول بہ ہو، جو مجموعے ان اصول پر مرتب ہوئے ہیں وہ صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں یہی وہ مجموعے ہیں جن کو محققین نے صحیح ترین کتب حدیث تسلیم کیا ہے۔ ان پر شہرت و قبولیت کی ہر عہد اور ہر طبقہ علم و نظر میں اتنی مہریں لگ چکی ہیں کہ اب کسی کا رد و اذکار بھی ان کی قدر و قیمت کو گھٹا نہیں سکتا ان عظیم کتابوں کے نام اور ان کے جلیل القدر مرتبین کے نام درج ذیل ہیں

۱۔ صحیح البخاری	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری	۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ
۲۔ الجامع الصحیح	امام مسلم بن حجاج	۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ
۳۔ سنن داؤد	امام ابوداؤد	۲۰۲ھ تا ۲۷۵ھ

(۴) سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد ترمذیؒ	۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ
(۵) سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد نسائیؒ	۲۱۵ھ تا ۳۰۳ھ
(۶) سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ	۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ

بعض ائمہ نے سنن ابن ماجہ کی جگہ امام مالکؒ (۹۳ھ تا ۱۷۹ھ) کی موطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تو موطا کو تمام کتب صحاح پر ترجیح دی ہے۔ موطا امام مالکؒ حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف اور فلسفہ و حکمت میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اس لئے انہوں نے ایک نئی ترتیب دی اور عربی و فارسی میں اس کی اس کی شروح لکھیں اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔

لیکن حدیث کی صحت کے بارے میں ایک عام غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ اس کی صحت بھی صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن ہے۔ اس انداز فکر نے طرح طرح الجھاؤ پیدا کر دیئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ حدیث یا روایت بخاری و مسلم کے نام سے عربی کا کوئی جملہ کسی کے سامنے پڑھ دیا جائے تو یہ تحقیق کئے بغیر کہ وہ واقعی بخاری کی روایت ہے بھی یا نہیں۔ نیز اصول فن پر پوری اترتی ہے یا نہیں اور یہ دیکھے بھالے کہ وہ روایت قرآن کے کسی حکم صریح و قطعی کے خلاف ہے یا اس سے ٹکرا رہی ہے، فوراً وہ اس کی تاویل کرنا شروع کر دے گا اور ایک لمحہ کے لئے نہیں سوچے گا کہ اس کی اس سعی نامسعود کی زد کہاں پڑتی ہے اس کے برخلاف محققین کا شیوہ قطعی مختلف رہا ہے انہوں نے صحیحین کی روایت کو بھی تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا ہے اور اس کے بعد ہی قبول کیا ہے اور کسی قابل تردید روایت کے رد کرنے میں ادنیٰ تامل نہیں کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود و تقلید کا شیوہ اعمیٰ اختیار نہیں کیا کہ بخاری کی روایت اسری شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک میں ہے اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا کہ اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔"

تحقیق کی یہی راہ ہے جو مولانا آزاد نے خود بھی اختیار کی ہے۔ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں فرماتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر کوئی ناقابل توجیہہ بوالعجبی نہیں، قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو، لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ اس لئے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور ماننی پڑے گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا۔ اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کی روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی!

اس کے بعد قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ پر تحقیقی نظر ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ مفسرین محض ایک روایت کی صحت کے ثبوت کے لئے کیا کیا توجیہیں کرتے ہیں قرآن کے صاف وصریح بیان میں محذوفات کے افسانے گڑھتے اور قرآن کے ساتھ کیسا ظلم کرتے ہیں لیکن ایک غیر معصوم راوی کے قصور فہم کو تسلیم نہیں کر لیتے۔ اس سلسلے میں صحیحین کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

باقی رہی صحیحین کی روایت کہ لم یکذب ابراهیم فی شی قط الا ثلاث کلھن فی اللہ؟ تو اگرچہ اس کی توجیہہ وتاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم وتعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں اگر ایک راوی کی جگہ سیکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو ہر حال میں غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی۔ لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت ووحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو جائے گی ۔۔۔۔۔ نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے۔ اور احتیاج تفصیل نہیں، نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف

سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔ نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجہ میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ نبوت ہوگی تو سچائی بھی ہوگی اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں ہے۔ پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ میں سے ہے، روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو۔ بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں۔ اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کیلئے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی، ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا ماننے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔"

اس قسم کے الحاد تو حقیقتاً اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ مفسرین نے صحیحین کی صحت کو بھی صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن کے سمجھ لیا تھا۔ اس لئے مولانا نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حدیث کی صحت سے کیا مراد ہے، صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن یا صحت مصطلحۂ فن مولانا فرماتے ہیں؛

اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی صحت ہے۔ عصمت نہیں اور صحت سے مقصود صحت مصطلحۂ فن ہے۔ نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے ایسا فیصلہ ہر بات کے لئے مفید حجت ہو سکتا ہے مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی"

اس کے بعد صحیحین کے بارے میں متاخرین کی افراط و تفریط اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے الحاد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ ہر گوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے اور

اس کی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں ایک طرف فقہا حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر صحیح بخاری و مسلم کی مرویات کی زوال کے مذہب پر پڑ رہی ہے اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے۔ چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیئے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے۔ پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر پوری اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔ حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ شہرت" اور قبول" کی بناء پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عامۂ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہا مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ ان کے سامنے جونہی بخاری و مسلم کا نام آ جاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی دلیل و حجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں"

آخر میں مسلک تحقیق کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی فرماتے ہیں۔

اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہیئے کہ۔

(۱) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں، سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت و قبول کی بنا پر ہے۔" شہرت" یہ کہ ایک کتاب علم و نظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو اور اہل علم نسلاً بعد نسلٍ اس کی صحت و فضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں۔" قبول" یہ کہ وہ تمام امت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو۔ ہر عہد اور ہر طبقہ میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت ایک ایک راوی، ایک ایک متن، ایک ایک لفظ ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد و قبول کی ڈالی ہوں، زیادہ سے زیادہ موافق و مخالف شرحیں لکھی ہوں، زیادہ سے زیادہ درس و تدریس میں مانجھتے رہے ہوں اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک قلم بے داغ

رہی ہو۔ چونکہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں انہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں۔ ولیس لھما ثالث۔ اس لئے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہو گئی ہے اور بلاشبہ جب کبھی اختلاف ہوگا تو صحیحین کی روایت محض اس لئے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے۔ دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھادی جائیں، لیکن وہ اس کی قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکیں۔

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے یعنی ایسی صحت جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے۔ عصمت کا اعتقاد نہیں ہے، اور اس لئے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائے گی تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے۔ کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جاسکتا۔

"غرض اندر میان سلامت اوست"[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۵۰۰ - ۵۰۱

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ قطعاً نہ تھا کہ کلیتہً لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے سے روک دیا جائے بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کر رہے ہیں۔

(تدوین حدیث از مولانا سید مناظر احسن گیلانی)